سر سید احمد خان کی مکتوب نگاری: ایک مطالعہ

(Sir Syed Ahmad Khan’s Epistolary Prose: A Study)

DOI: https://doi.org/10.54692/nooretahqeeq.2022.06031808

توقیر اشرف چودھری

Tauqir Ashraf Ch.

Ph.D Scholar, Department of Urdu,
Lahore Garrison University, Lahore

Abstract:

Epistolary prose is the cultural capital of a nation in which all the elements of a civilization are preserved. In the more or less ۲۵۰ years of history of Urdu epistolary prose, Urdu letters have gone through many levels of styles, themes and linguistics. Up to the time of Sir Syed Ahmad Khan, Urdu prose had freed itself from styles like abstract techniques, Persian style and colorful writing. Sir Syed's epistolary prose is also a fine example of his contemporary style. Popular style of Urdu prose of that period can be evaluated from these letters which are the most authentic sources for interpretation and dissemination of Sir Syed's political, religious, social and academic ideas. In the article, an attempt has been made to understand and evaluate Sir Syed's ideas and personality in the light of his correspondence.

Keywords:

Urdu Epistolary Prose, Urdu Letters, Sir Syed Ahmad Khan, Urdu Prose, Sir Syed’s Correspondence.

مکاتیب کسی بھی قوم کا نہ صرف تہذیبی سرمایہ ہوتے ہیں بلکہ مکتوب نگار کی شخصیت کا ایک ایسا آئینہ بھی ہوتے ہیں جس میں اس کی ذات کے تمام پیچ و خم، اس کی فکری و نظری رویوں اور اس کی نفسیاتی بنت کے تمام تر پہلو صاف دکھائی دیتے ہیں۔ مشاہیر کے خطوط اپنے عہد کی سیاسی، تہذیبی، معاشرتی اور ادبی قدروں کا ایک مستند بیانیہ ہوتے ہیں مثال کے طور پر غالب کے مکاتیب میں محض ادب کی چاشنی اور زبان کا رچاؤ ہی نہیں بلکہ اُن میں ۱۸۵۷ء کے ہنگاموں کی ایک آنکھوں دیکھی روداد بھی ملتی ہے۔ ”دلی جو ایک شہر تھا عالم میں انتخاب“ اس شہر بے مثال کی تباہی اور اس کی خاک اڑاتی ویران گلیوں کی روداد جس قدر تفصیل سے غالب نے اپنے مکاتیب میں تحریر کی ہے ایسے آنکھوں دیکھے حقائق شاید تاریخ کی کسی اور کتاب میں پڑھنے کو نہ ملیں۔ ہم ۱۸۵۷ء کے ہنگاموں کے اسباب و محرکات کے حوالے سے ہم ہمیشہ

مغالطے کا شکار رہتے اور تاریخ کی ایک تلخ سچائی کبھی بھی سامنے نہ آتی اگر ۱۸۵۷ کی جنگ آزادی کے غداروں کے خطوط سامنے نہ آتے ان خطوط نے ایسے حقائق کو طشت از بام کر دیا جو اس قدر تلخ ہیں کہ ہماری تاریخ کا ایک سیاہ باب شمار ہوتا رہے گا۔ سید عاشور کاظمی کے مرتبہ "۱۸۵۷ء کے غداروں کے خطوط" سے رجب علی بیگ، مرزا الٰہی بخش، گوری شنکر، تراب علی، شہاب خان، جواہر سنگھ، مفتی صدر الدین آزردہ، بہادر شاہ ظفر کی چہیتی بیگم زینت محل اور حکیم احسن اللہ ، جیسی شخصیات کا ایسا منفی کردار سامنے آتا ہے کہ ہم انہیں غداروں کی صف میں کھڑا کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ قیام پاکستان کی جدوجہد ایک اعصاب شکن سیاسی معرکہ آرائی کی داستان ہے۔ اس داستان کے بہت سے ایسے کردار تاریخ کے حمام میں عریاں نہ ہوتے اگر اقبال کے وہ سولہ خطوط منظر عام پر نہ آتے جن کا ترجمہ کر کے غلام رسول خان نے "اقبال کے خطوط جناح کے نام" سے شائع کیا۔ جس کا پیش لفظ خود محمد علی جناح نے تحریر کیا تھا۔ ان میں کچھ خطوط کا آغاز ہی "بصیغہ راز" کی تاکید سے ہوتا تھا۔ ان میں مسلم لیگ اور یونینسٹ پارٹی کی "جناح سکندر معاہدے" کے پس منظر میں سر اسکندر کی دوہری شخصیت کو طشت از بام کیا گیا ہے۔ گویا خطوط ایسے مستند ماخذات ہوتے ہیں جن میں درج حقائق کی بنیاد پر تاریخ کے اہم واقعات پر حقیقی روشنی پڑتی ہے اور بہت سے تاریخی مغالطے درست کیے جاسکتے ہیں۔

مکاتیب صرف کسی عہد کا آئینہ ہی نہیں ہوتے بلکہ مکتوب نگار کی شخصیت کے حقیقی عکاس بھی ہوتے ہیں۔ مثال کے طور پر علامہ شبلی نعمانی کے وہ خطوط جو انہوں نے عطیہ فیضی کے نام لکھے ہیں اگر یہ خطوط منظر عام پر نہ آتے تو مولانا شبلی نعمانی کی زندگی کا جمالیاتی پہلو کبھی سامنے نہ آسکتا۔ اس حوالے سے ڈاکٹر وحید قریشی نے ان کی شاعری اور خطوط کا تجزیہ کر کے ایک کتاب "شبلی کی حیاتِ معاشقہ "تصنیف کی۔ اس کتاب میں جہاں ان کی شاعری کو بنیاد بنا کر شبلی کی زندگی کے بعض چھپے پہلوؤں کو سامنے لایا گیا ہے وہیں ان کے خطوط سے ان کی زندگی کے ایک رنگین باب کو طشت از بام کیا گیا ہے۔

گذشتہ سطور میں بیان کیے گئے ان حقائق کے تناظر میں سر سید کے مکاتیب کا مطالعہ بھی بہت دل چسپی کا حامل ہے۔ سر سید نے جب شعور کی دنیا میں قدم رکھا تو مغلیہ سلطنت آخری سانسیں لے رہی تھی۔ سماجی اقدار کے ساتھ سیاسی، تہذیبی اور ادبی قدروں پر بھی ایک ضرب کاری لگ چکی تھی۔ مسلمانان ہند ذہنی، نفسیاتی، تہذیبی، علمی اور تمدنی سطح پر اس قدر انتشار کا شکار ہو چکے تھے کہ ان کو از سرِ نو تنظیم کی ضرورت تھی۔ جس کے لیے سر سید نے عملی طور پر بہت کام کیا ان کی ایک مکمل داستان ان کے خطوط میں نظر آتی ہے۔ مسلمانان ہند کے ذہنی و قلبی انتشار کو سمجھ کر سر سید ایک ایسے معلم کے روپ میں سامنے آئے جو مسلمانوں کو شکست کا غم بھول کر نئے تقاضوں کے مطابق خود کو ڈھالنے کا درس دیتے ہیں۔ سر سید کے خطوط کے مطالب اور موضوعات اس مشن کے تابع نظر آتے ہیں جو انہوں نے اپنی زندگی کا مقصد بنا لیا تھا ان کے خطوط میں ان کی تمام تر سیرت، کردار ان کی کے عصری رویوں کی صاف اور واضح جھلک نظر آتی ہے۔ خواجہ

احمد فاروقی رقم طراز ہیں:

"اگر ہمیں آدم نثر جدید، بانی مدرستہ العلوم اور حامی ملک وملت کے چہرے کے تمام خط وخال دیکھنا ہیں تو ہمیں خطوط سر سید کا مطالعہ کرنا چاہیے۔ وہاں انہوں نے اپنا دل اور دماغ کھول کر رکھ دیا ہے۔ یہ خطوط ان کے اخلاق وعادات، اعتقادات و نظریات، سیرت و کرداراور عصری معلومات و تحریکات کا خزینہ اور گنجینہ ہیں۔"(۱)

سر سید احمد خان خطوط نگاری کا ایک نیا روپ سامنے لے کر آئے غالب کی شگفتگی اور داخلی کیفیات کے بے لوث اظہار کا رُخ سر سید نے سائنسی انداز فکر کی طرف موڑ دیا یہ مکتوب نگاری کی تاریخ میں ایک بہت بڑی تبدیلی تھی۔ سر سید کے دور میں ویسے بھی اردو نثر ایک نئے اسلوب سے آشنا ہو رہی تھی جس میں مفرس و مشکل تراکیب سے دامن چھڑایا جا رہا تھا۔ اردو زبان میں اس قدر وسعت پیدا ہو چکی تھی کہ وہ اب محض حسن و عشق، رخسار و کاکل، اور ہجر و فراق کے موضوعات تک محدود نہیں تھی بلکہ اس میں اب سیاسی، سائنسی، سماجی، تاریخی اور اخلاقی مضامین کو بیان کرنے کی صلاحیت بدرجہ اتم موجود تھی۔ سر سید نے بھی اپنے مکاتیب اردو کے اس نئے تشکیل پاتے اسلوب کو آگے بڑھایا۔ غالب نے اردو زبان کی جو مسیحائی شروع کی تھی اس کی تکمیل سر سید اور ان کے رفقا کے ہاتھوں ہوئی۔ شمس الرحمٰن اپنی تصنیف "اردو خطوط" میں رقم طراز ہیں:

"سر سید کی ہمہ گیر شخصیت پیدا نہ ہوتی تو اردو میں سادگی اور بے تکلفی پیدا کرنے کا کام ادھورا رہ جاتا۔ سر سید نے غالب کے اثر کو صرف اپنے تک محدود نہ رکھا بلکہ اسے پھیلانے کیلئے زبان وادب کے خدام کی ایک اچھی خاصی جماعت پیدا کر دی۔۔۔ ان کی مشغولیتوں نے انہیں کبھی اتنی فرصت نہ دی کہ اپنے خطوط کو دلچسپ اور پر لطیف بناتے لیکن پھر بھی ان کے خط اس لئے اہم ہیں کہ ان سے سر سید کی شخصیت کے بہت سے پہلو اُجاگر ہوتے ہیں۔"(۲)

سر سید کی شخصیت کے تمام تر پہلو اگرچہ مولانا الطاف حسین حالیؔ نے اپنی تصنیف "حیات جاوید" میں پیش کر دیے ہیں۔ تاہم سر سید کے مکاتیب ان کی شخصیت کے بہت سے مخفی پہلوؤں کو سامنے لے کر آتے ہیں۔ سر سید کے مکاتیب ان کی شخصیت کے تمام داخلی و خارجی پہلوؤں کا ایک عمدہ مرقع ہیں سر سید کے خطوط ان کے فکری ارتقا، سماجی شعور اور سیاسی آگہی کی ایک مکمل داستان بیان کرتے ہیں۔ حیات سر سید کے جو گوشے ان کے مکاتیب سے سامنے آتے ہیں ان میں ان کے اسلامی و مذہبی نظریات، وطن دوستی، امت کے بکھرنے کا دکھ، صبر تحمل، رواداری، صلح جوئی، شوخی و ظرافت شامل ہیں۔ ڈاکٹر محمد عزیز اس حوالے سے رقم طراز ہیں:

"ایک تصویر اور بھی ہے جو خود سر سید نے اضطراری طور پر اپنے ہاتھ سے کھینچی تھی۔ اس میں وہ جزئیات تو نہیں ملتیں جو حالی نے [حیات جاوید میں] پیش کی ہیں۔ مگر وہ تمام خدوخال موجود ہیں جن سے صاحب تصویر کا اصل چہرہ آنکھوں کے سامنے آجاتا ہے۔ یہ تصویر ہمیں ان کے خطوط میں ملتی ہے۔شاید یہ کہنا بھی مبالغہ نہ ہو کہ حیات جاوید کی غیر موجودگی میں بھی یہ خطوط ان کی سیرت کی اہم خصوصیات کو واضح کرنے کے لیے کافی ہیں۔"(۳)

سر سید احمد خان کے مکاتیب کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ ان میں ذاتی اور نجی باتیں نہ ہونے کے برابر ہیں اس لیے کہ انہوں نے وقت گزاری یا دوستوں کسے گفتگو کے لیے مکاتیب نہیں لکھے، سر سید فرد کی بجائے ملت کے قائل تھے۔یہی وجہ ہے کہ ان کے مکاتیب میں مذہب وملت کا درد، تعلیم کی اہمیت، سائنٹفک سوسائٹی، ایم اے او کالج کی علمی وادبی سرگرمیوں اور تصنیف و تالیف کا ذکر دکھائی دیتا ہے۔ مسلمانان ہند کی تعلیم سے دوری ایک گہرے گھاو کی طرح انہیں بے چین رکھتی تھی۔ان کے نزدیک جدید تعلیم کا حصول ہی وہ واحد راستہ ہے جو مسلمانان ہند کو نشاۃ الثانیہ کی منزل تک لے جاسکتا ہے اس حوالے سے انہوں نے اپنے افکار وخیالات کا اظہار اپنے مکاتیب میں کیا ہے۔ وہ ہندوستان کے مسلمانوں کے لیے کیمرج اور آکسفورڈ جیسے تعلیمی اداروں کی طرز پر ایک ایسے ادارے کا قیام چاہتے تھے جس سے ہندوستان کے نوجوانوں کی رسائی جدید تعلیمی نظریات تک ہو سکے اسی مقصد کے لیے انہوں نے انگلستان کا سفر بھی اختیار کیا تھا۔انہوں نے انگلستان میں تقریباً سترہ ماہ قیام کیا اور اس دوران میں انہوں نے اس معاشرے سے سماجی، سیاسی، اخلاقی اور تعلیمی حوالے سے بہت کچھ اخذ کیا وہ اس معاشرے کی تنظیم وترتیب، علمی استعداد اور نظم وضبط کو انگریز قوم کے عروج کا باعث سمجھتے تھے اس سفر کی مکمل روداد ان کے مکاتیب میں محفوظ ہے۔ نواب محسن الملک کے نام ۱۰ ستمبر ۱۸۶۹ء کو لکھے گئے ایک خط کا اقتباس دیکھیے:

"جس وقت انسان یورپ کی سرحد میں پہنچتا ہے حقیقت میں اس کو ایک نیا عالم معلوم ہوتا ہے اس کو یقین ہو جاتا ہے کہ ہندوستان میں جا کر جو انگریز ہم کو مثل جانور جانتے ہیں در حقیقت ہم ہندوستانی ایسے ہی ہیں۔ عقل مند اور عبرت اور نصیحت پکڑنے والا آدمی تمام حالات اور رسوم ورواج یورپ دیکھ کر یہ بات سمجھ سکتا ہے کہ کون سی رسمیں اور عادتیں ہندوستان کی اور خصوص مسلمانوں کی اچھی ہیں اور کون سے خراب اور قابل تبدیل ہیں۔"(۴)

سر سید احمد خان کے مذہبی نظریات کے حوالے سے ایک متنازعہ شخصیت رہے ہیں اسلام کے بنیادی عقائد کی

من مانی تشریح ہو یا ان کی لکھی ہوئی قران مجید کے پندرہ پاروں کی "تفسیر القران" جسے اس دور کے تمام مسالک کے علما نے "تحریف القران" کا نام دیا وہ مذہب کے حوالے سے ہمیشہ ہدف تنقید ہی رہے دراصل یہ تمام نظریات جدید سائنسی علوم کو دین اسلام سے ہم آہنگ کرنے کے شوق میں بعض کتب کی غلط توضیح و تشریح کے باعث سامنے آئے ان کے مکاتیب میں بھی ان کے "قابل گرفت" اعتقادات کو دیکھا جاسکتا ہے لیکن اس کے باوجود نبی اکرم ﷺ کے ساتھ ان کی محبت کسی شک و شبے سے پاک ہے۔ نبی آخر الزماں ﷺ سے محبت ان کے ایمان کا حصہ رہی ہے ان کے مکاتیب میں بارہا اس بے لوث محبت کا اظہار ملتا ہے۔ انگریز مورخ، سیاست دان اور اس وقت کے صوبہ متحدہ کے لیفٹیننٹ گورنر ولیم میور نے چار جلدوں پر مشتمل ایک کتاب تحریر کی تھی "لائف آف محمد"، یہ کتاب شائع ہوئی تو مسلم امہ میں بہت اشتعال پھیلا۔ اسے اسلام کے خلاف ایک سازش قرار دیا گیا کہ اس میں نبی آخر الزماں ﷺ کی حیات مبارکہ کو غلط انداز سے پیش کیا گیا ہے۔ سر سید بھی ان لوگوں میں شامل تھے جو اس تصنیف سے بہت کبیدہ خاطر ہوئے۔ سر سید نے اس کتاب کا اردو ترجمہ بھی شائع کیا اور "خطبات احمدیہ" کے عنوان سے اس کتاب کا مدلل جواب دینے کی کوشش بھی کی۔ اپنے بہت سے خطوط میں بھی سر سید ولیم میور کی اس گستاخی پر سیخ پا نظر آتے ہیں جو ان کے دل میں حب محمد ﷺ کا ثبوت ہے۔ اپنے سب سے قریبی دوست نواب محسن الملک مہدی علی خان کے نام ۲۰ اگست ۱۸۶۹ کو تحریر کردہ ایک خط کے اقتباس میں جذبہ ایمانی کی کیفیت دیکھیں:

> "ان دنوں میں قدرے ذرا دل کو شورش ہے۔ ولیم میور صاحب نے جو کتاب آنحضرت ﷺ کے حال میں لکھی ہے اس کو میں دیکھ رہا ہوں۔ اس نے دل کو جلا دیا اور اس کی ناانصافیاں اور تعصبات دیکھ کر دل کباب ہو گیا اور مصمم ارادہ کیا کہ آنحضرت کی سیر میں جیسا کہ پہلے سے ارادہ تھا، کتاب لکھ دی جاوے۔ اگر تمام روپیہ خرچ ہو جاوے اور میں فقیر بھیک مانگنے کے لائق ہو جاوں تو بلا سے۔ قیامت میں یہ تو کہہ کر پکارا جاوے گا کہ اس فقیر مسکین احمد کو جو اپنے دادا محمد صلعم کے نام پر فقیر ہو کر مر گیا، حاضر کرو۔ مارا (ایں) تمغہ شاہنشاہی بس است۔"(۵)

سر سید احمد خان کے مذہبی نظریات کو سمجھنے کے لیے وہ سات خطوط بہت اہم ہیں جو انہوں نے محسن الملک سید مہدی علی خان کو لکھے یہ مکاتیب اس دوران میں لکھے گئے جب سر سید اپنی تفسیر لکھ رہے تھے اور محسن الملک کو اس کا مسودہ ساتھ ساتھ بھیج رہے تھے۔ یہ تمام مکاتیب طویل ہیں اور سر سید نے بہت وضاحت کے ساتھ اپنے مذہبی نظریات پیش کیے ہیں ان مکاتیب میں ان نظریات کی توضیح بھی پیش کی ہے جس پر اس دور کے علمائے دین نے بہت اعتراضات اٹھائے تھے۔ مثال کے طور پر سر سید احمد خان پر ایک بہت بڑا اعتراض یہ تھا کہ وہ غیر ذبح شدہ مرغی یعنی حرام بھی کھا لیا

کرتے تھے اس حوالے سے انہوں نے ایک طویل خط نواب محسن الملک کو لکھا تھا اس میں انہوں نے سورۃ المائدہ کی آیت ۱۲۰ کی توضیح پیش کی تھی جس میں مردار کو حرام قرار دیا گیا ہے اور جس میں کوئی شبہ نہیں لیکن سرسید نے اس حوالے سے اپنی توضیح اور تشریح پیش کی تھی اس مکتوب کا ایک اقتباس دیکھیں:

"میرے تحقیق یہ ہے کہ پرند منخنقہ کی حرمت بہ استدلال آیت متدلہ منصوص قرانی نہیں ہے۔ وہ آیت جس میں منخنقہ کا ذکر ہے، یہ ہے حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَ الدَّمُ وَ لَحْمُ الْخِنْزِيْرِ وَ مَاۤ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ وَ الْمُنْخَنِقَةُ وَ الْمَوْقُوْذَةُ وَ الْمُتَرَدِّيَةُ وَ النَّطِيْحَةُ وَ مَاۤ اَكَلَ السَّبُعُ اِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ ۫ وَ مَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ وَ اَنْ تَسْتَقْسِمُوْا بِالْاَزْلَامِ ؕ ذٰلِكُمْ فِسْقٌ ؕ اب غور کرو کہ اس آیت میں چار لفظ ہیں المنخنقہ، الموقوذۃ، المتردیۃ، النطیحۃ ان چاروں میں حرف "تائے" فوقانی موجود ہے اور ہم کو بموجب محاورہ زبان عرب کا اس بات کا قرار دینا باقی ہے کہ یہ "تے" کس قسم کی ہے اور جو کہ کسی دوسرے آیت قران مجید سے قسم "تے" کا تعین جو کلمہ منخنقہ میں ہے، نہیں پایا جاتا اس لیے ہم کو اپنے اجتہاد سے اس کا تعین کرنا پڑتا ہے۔ پس اب ہم اس "تے" کو کسی قسم کا قرار دیں اور کسی جانور کی حرمت کا مسئلہ اس سے نکالیں اس کی حرمت منصوص نہ ہو گی کیونکہ ممکن ہے کہ وہ "تے" اس قسم کی نہ ہو بلکہ دوسری قسم کی ہو اور اس قسم کے جانوروں کی حرمت پر حاوی نہ ہو۔"(۶)

ان مذہبی تنازعات کے علاوہ سرسید احمد خان پر ایک اور الزام یہ لگتا رہا تھا کہ وہ تعلیم نسواں کے خلاف تھے اگرچہ انہوں نے مسلماناں ہند کی جدید اور سائنسی تعلیم کے حوالے سے اپنی زندگی وقف کر رکھی تھی اس کے علاوہ وہ اس دور کے لحاظ سے اچھے خاصے روشن خیال بھی کہے جاسکتے ہیں لیکن تعلیم نسواں کے مخالف کے طور پر ان پر ہمیشہ انگلیاں اٹھتی رہیں۔ یہ بات بھی تاریخ کا حصہ ہے کہ مولوی ممتاز علی نے عورتوں کے لیے رسالہ نکالنے کا فیصلہ کیا تو سرسید سے اس کا نام تجویز کرنے کا کہا اگرچہ انہوں نے اس کا نام "تہذیب نسواں" تجویز کیا لیکن ساتھ ہی انہوں نے خواتین کے رسالے کے اجرا سے منع بھی کیا۔ اگر سرسید کے مکاتیب کا مطالعہ کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ تعلیم نسواں کے مخالف تو نہیں تھے تاہم اس حوالے اس ان کا ایک خاص نقطہ نظر تھا جس سے اختلاف کی گنجائش بہر حال موجود ہے۔ سرسید نے تعلیم نسواں کے حوالے سے لگنے والے الزامات کی وضاحت بہت سے مکاتیب میں کی ہے۔ ایک مکتوب کا اقتباس ملاحظہ کریں:

"عورتوں کی تعلیم قبل مہذب ہونے مردوں کے نہایت ناموزوں اور عورتوں کے لیے

آفت درماں ہے یہ ہی باعث ہے کہ میں نے آج تک عورتوں کی تعلیم میں کچھ نہیں کیا۔
شائستہ اور تربیت یافتہ مرد کو ناتربیت یافتہ جوان عورت ملنے سے اس کا کچھ نقصان نہیں
ہے وہ اپنی تہذیب کے سبب اپنی جورو سے محبت کرتا ہے اور اس کو مہذب و شائستہ بنا
لیتا ہے۔ مگر عورت ایسا نہیں کر سکتی۔"(۷)

سرسید کے مکاتیب کے حوالے سے ایک عام تاثر یہ ہے کہ ان میں پند و نصائح اور علمی، سیاسی اور مذہبی مباحث اس قدر تواتر کے ساتھ ہیں کہ ان میں شگفتگی بالکل عنقا ہو گئی ہے لیکن سرسید کے تمام مکاتیب کو پڑھنے کے بعد راقم اس نتیجے پر پہنچا ہے کہ ان کے مکاتیب میں نہ صرف یہ کہ شوخی و ظرافت کے نمونے ملتے ہیں بلکہ بعض مکاتیب میں باقاعدہ تحریر کی رنگینی بھی دکھائی دیتی ہے اگرچہ اس طرح کی رنگینی تحریر سرسید کے عمومی اسلوب کے برعکس ہے۔ ان کی شوخی و ظرافت کی متعدد مثالیں ان کے مکاتیب میں دیکھی جا سکتی ہیں تاہم طوالت کے خوف سے صرف ایک مثال پر اکتفا کیا جا رہا ہے۔ اپنے رفیق محسن الملک کو لکھتے ہیں۔

"تبدیل وضع کے باب میں جو کچھ آپ نے لکھا ہے وہ سب بجا ہے۔ بشرطیکہ میرا جادو،
توبہ توبہ میرا معجزہ نعوذ باللہ، میری کرامت، لاحول ولا قوۃ الا باللہ میری حماقت تم میں
اثر نہ کرے گی۔ ذرا صبر کرو، تین مہینے خیر سے گزر جاویں۔ جب آلہ آباد کے اسٹیشن پر
گلے ملو گے اور چھاتی سے چھاتی ملے گی اس وقت پوچھیں گے کہ جان من (معاف کیجیے
بے خودی میں یہ لفظ نکل گیا) قبلہ من اب کیا ارشاد ہے؟"(۸)

سرسید احمد خان اپنے اسلوب کے حوالے سے بہت واضح تھے وہ اپنے نظریات اور خیالات کا واضح ابلاغ اور تفہیم چاہتے تھے اس لیے ان کے نثری تحریریں " نثر عاری" کی مثال تھیں۔ کم و بیش تمام علمائے اردو بھی سرسید کے اسلوب کی یک رنگی متفق ہیں ان کے خیال میں سرسید کے بنیادی موضوعات پند و نصائح، علمی اور مذہبی مباحث تھے اور ایسے موضوعات رنگینی تحریر کے متحمل نہیں ہو سکتے اس لیے ان کی تحریر بے رنگ اور بے کیف محسوس ہوتی ہے البتہ ان کے کچھ چنیدہ مکاتیب کی نثر میں ادبی رچاؤ اور لطافت کے ٹکڑے دیکھے جا سکتے ہیں۔ خواجہ احمد فاروقی اس حوالے سے رقم طراز ہیں:

"خطوط سرسید کی یہ رنگینیاں بالکل ایسی ہیں جیسے کسی بے آب و گیاہ سرزمین میں کہیں
کہیں نخلستان کے ٹکڑے نظر آجائیں۔ پوری کتاب کو پڑھنے کیلئے دل پر جبر کرنا پڑتا
ہے۔ وڈزورتھ کے مجموعہ نظم کی طرح کل سے زیادہ اس کا انتخاب دلچسپ ہے۔"(۹)

بحیثیت مجموعی سرسید کے مکاتیب ان کے علمی، مذہبی، سیاسی اور معاشرتی نظریات اور جدوجہد کا ایک مستند

حوالہ ہیں۔ یہ مکاتیب سرسید کی جہد مسلسل کا ایک ایسا بیانیہ ہیں جس میں سرسید اپنے تمام افکار، پامردی اور ثابت قدمی کے ساتھ کھڑے نظر آتے ہیں۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ سرسید شناسی کی روایت میں ان گراں قدر مکاتیب کی اہمیت کے باعث ان کی شخصیت اور اسلوب کے نئے پہلوؤں کو سامنے لایا جائے۔

حوالہ جات

۱۔ خواجہ احمد فاروقی، سرسید خطوط کے آئینے میں، مشمولہ: سرسید : بازیافت، مرتب: عتیق احمد صدیقی، علی گڑھ:

سرسید اکادمی مسلم یونیورسٹی، ۱۹۹۰ء، ص:۴۱

۲۔ شمس الرحمٰن بی۔اے، اردو خطوط، دہلی: کتابی دنیا لمیٹڈ، ۱۹۴۷ء، ص:۵۲

۳۔ محمد عزیز، ڈاکٹر، سرسید احمد خان مطالعہ شخصیت خطوط کی روشنی میں، مشمولہ: مطالعہ سرسید، مرتب: عبدالحق، علی گڑھ: ایجوکیشنل بک ہاؤس، ۱۹۸۹ء، ص:۲۲۸

۴۔ سرسید احمد خان، مکتوبات سرسید (جلد اول)، مرتب: شیخ محمد اسماعیل پانی پتی، لاہور: مجلس ترقی ادب، طبع ثانی جون ۱۹۷۶ء، ص:۴۳۶

۵۔ مسعود جنگ بہادر، نواب، مرتب: خطوط سرسید، بدایوں: نظامی پریس، ۱۹۳۱ء، ص:۳۸

۶۔ احمد خان، سرسید، مکاتیب سرسید احمد خان، مرتب: مشتاق حسین، مکاتیبِ سرسید احمد خان، علی گڑھ: فرینڈس بک ہاؤس، اکتوبر ۱۹۶۰ء، ص: ۲۹۲

۷۔ سرسید احمد خان، مکتوبات سرسید (جلد دوم)، مرتب: شیخ محمد اسماعیل پانی پتی، لاہور: مجلس ترقی ادب، طبع ثانی جون ۱۹۸۵ء، ص:۱۸۴

۸۔ سرسید احمد خان، مکتوبات سرسید (جلد اول)، مرتب: شیخ محمد اسماعیل پانی پتی، ص:۴۶۷

۹۔ خواجہ احمد فاروقی، سرسید خطوط کے آئینے میں، مشمولہ: سرسید : بازیافت، مرتب: عتیق احمد صدیقی، ص:۶۴